© rasailojaraid.com

بلوے ہوئے جن میں مرنے والوں کی تعداد ساڑھے چھ لاکھ ہے۔ مالی طور پر مسلمانوں کا نقصان ۴۳ تا ۴۷ ارب روپے کا ہوا۔ سن ۱۹۹۰ء کے بعد مسلمانوں کی تباہ کاری کا جو کارنامہ انجام دیا گیا اس کا حساب شامل کیا جائے تو مسلم کشی کے ہنگامے ۵ ہزار تک پہنچتے ہیں۔

۲۲ — اب آسام کی داستان کی تلخیص ملاحظہ فرمائیے:-

(۲)

آسام خون آشام کی قیامت کا پہلے پس منظر ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی بار جب مسٹر باردولی ناتھ کی کانگریسی وزارت قائم ہوئی (۱۹۴۵ء) تو اس وقت ایک لاکھ مسلمانوں کو نکال باہر کیا گیا۔ کیا یہ کوئی چھوٹا حادثہ ہے؟

مسلمانوں کو آسام سے نکالنے کے لئے دوسری کوشش ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک کی گئی جب کہ گوہپاڑہ، جنگل وائی اور دوسرے علاقوں میں بڑے بڑے بلوے ہوئے۔ بہت سے مسلمان بھاگ کر بنگلا دیش میں داخل ہوگئے۔ پھر اقلیتوں کے تحفظ کے لیاقت نہرو معاہدے (۱۹۵۰ء) کے تحت آسام چھوڑنے والوں کو واپس بلایا گیا۔ مگر ان کی زمینیں ان کو نہیں دی گئیں۔ یہاں سے متعصب اور مسلم دشمن ہندوؤں میں نئے عزائم بیدار ہوئے۔

آسامی مسلمانوں پر حملوں کا تیسرا دور اس وقت شروع ہوا جب پنڈت نہرو کے دور میں بھارت کی شمال مشرقی سرحد (معروف بہ "نیفا") سے مسلمانوں کو جبراً بے دخل کیا گیا۔ ان کی جملہ املاک اور زمینیں ضبط کر لی گئیں۔ فخرالدین علی احمد کے دورِ وزارت میں مسلمانوں کو غیر محب وطن قرار دینے پر سخت احتجاج ہوا۔ اور ساتھ ہی مسلم کش بلوے شروع ہوگئے۔ فخرالدین علی احمد (جو بعد میں بھارت کے صدر بھی بنے) اور معین الحق چودھری احتجاجاً عہدوں سے مستعفی ہوگئے مگر اس احتجاج کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ لاکھوں مسلمان تباہ کر دیئے گئے اور جو بچ سکے وہ بھاگ کر دریائے برہم پترا کی ترائی میں نوگاؤں، گولاٹی اور گوہپاڑہ وغیرہ کے علاقوں میں بس گئے اور بڑی خستہ حالی کی زندگی گزارنے لگے۔

موجودہ ہنگاموں کا سررشتہ آغاز وہ ایجی ٹیشن ہے جو ۱۹۷۹ء میں جنتا پارٹی کی ہزاریکا وزارت کو برطرف کر کے صدر راج نافذ کرنے پر ابھرا۔ یہ ایجی ٹیشن جو مرکزی حکومت کی پالیسی اور غیر آسامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آبادی کے حق رائے دہی کے خلاف اٹھا تھا اسے راشٹریہ سیوک سنگھ کے دو وزراء نے فرقہ وارانہ کشیدگی کی طرف موڑنے کی کوشش کی اور مسلم دشمنی کے جذبات کو خوب بھڑکایا ۔ مسلمانوں کو غیر قانونی مداخلت کار قرار دے کر ان پر حملوں کا آغاز کرایا گیا ۔ اٹل بہاری باجپائی کے علاوہ خود اندرا گاندھی[1] کو بھی یہی پسند ہوا کہ آسام کی ساری آبادی کے اندر علاقائی تصادم کے بجائے قضیے کا رخ مسلمانوں کی طرف موڑ دیا جائے ۔ اے اے ایس یو (آل آسام سٹوڈنٹس یونین) نے جو آسام کے بلوے و ہنگامہ کو چلانے میں بڑی حصہ دار قوت رہی ہے نومبر ۸۰ء میں یہ کھلا الزام لگایا تھا کہ بھارتی حکومت سارے قضیے کو ہندو مسلم تصادم میں بدلنے کے لئے یہ چاہتی ہے کہ ان سے غیر قانونی مداخلت کاروں کا سا معاملہ کیا جائے اور باہر سے آمدہ ہندوؤں کو پناہ گزین قرار دیا جائے ۔ چنانچہ بات یہاں تک پہنچی کہ پہاڑی قبائلیوں کو بڑی آسامی تحریک سے الگ رکھنے اور بنگلہ دیشی مسلمانوں کے خلاف وحشت کاری کرنے کے لئے ایک جداگانہ ضلع بنا کر دینے کی پیشکش بطور رشوت کی گئی ۔ سٹوڈنٹس یونین کا یہ کہنا ہے کہ یہ چال بھارتی اصل تحریک کو تباہ کرنے کے لئے چلی گئی ہے ۔

دیرینہ آسامی ایجیٹیشن کو نوجوانوں کی دو تنظیمیں چلا رہی تھیں ، ایک آل آسام سٹوڈنٹس یونین ، دوسری گنا سنگرام پریشد پیپلز ریولیوشنری کمیٹی - اس کی زد کسی طرح مسلمانوں پر اول درجے میں نہیں پڑتی تھی - اس کا ثبوت غیر آسامی آبادی کے درج ذیل بادثوق اعداد و شمار ہیں :-

باہر سے اکھڑ کر آنے والے لوگ ۲ لاکھ ۱۴ ہزار

(یہ تمام کے تمام بنگلہ دیش سے آئے ہوئے ہندو تھے)

غیر قانونی داخل شدگان

ہندو	=	۶ لاکھ ۳۱ ہزار
بودھ	=	۶۵ ہزار
عیسائی	=	۳۰ ہزار
مسلمان	=	۲۷ ہزار
میزان کل	=	۹ لاکھ ۶۷ ہزار

[1] آپ ذرا خیال کریں کہ یہی اندرا گاندھی مسلمانوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے اُن کو آسام جا کر تحفظ کا یقین دلاتی ہیں ۔ پھر یہی مسلم کشی کی سازشی سرنگ میں بارود بھرتی ہیں ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں قسم کے غیر آسامیوں کی مجموعی تعداد ۱۱ لاکھ ۸۱ ہزار میں صرف ۲۷ ہزار مسلمان شامل ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ بقیہ مذاہب کے لوگوں کی بھاری تعدادوں کو چھوڑ کر صرف ۲۷ ہزار مسلمانوں کے خلاف لاوا اُبل پڑا اور صرف وہی غیر آسامی مداخلت کار قرار پائے۔ (وزارت داخلہ کے فراہم کردہ اعداد و شمار بتاریخ ۲۷ ستمبر ۱۹۸۰ء - بحوالہ امپیکٹ لندن)

پرکاش چندر سیٹھی کا بیان ہے کہ آسامی طلبہ اور دیگر آسامیوں کی تحریک تمام غیر آسامیوں کے خلاف تھی اور اس کا اصول عدم تشدد مقرر تھا۔ بعد میں مختلف افراد اور عوامل نے تحریک کا رُخ بدل دیا اور اُس میں غیر متعلقہ عناصر شامل کیے گئے۔ اس تبدیلی کا الزام آسامی تحریک والوں نے بعض متعصب ہندو لیڈروں اور وزیروں کے علاوہ خود اندرا گاندھی پر لگایا ہے۔

حالیہ سلسلہ واقعات یوں ہے کہ آسام میں گوہاٹی کے صوبائی مرکز سے صرف ۵۴ کلومیٹر دور (یعنی کار کی ۱/۲ گھنٹے کی مسافت) نیلی نامی آبادی کے آس پاس مسلمانوں کے ایک درجن گاؤں تھے اور اُن کی تعداد دس ۱۵ ہزار تھی۔ اس مسلم علاقے کے ارد گرد ہندو آبادی کا بڑا گھیرا تھا۔ جو عرصہ سے فتنہ و شورش کی تیاری میں تھے۔ اور اسلحہ جمع کر چکے تھے۔ اور ان کو سرکاری پولیس اور ملیشیا کا پورا تعاون حاصل تھا۔ یہ بات بھی سامنے آ گئی ہے کہ مشہور مسلم دشمن اور متعصب جن سنگی لیڈر اٹل بہاری باجپائی دو تین بار آسام گئے اور انہوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کر کے ہنگامہ اٹھانے والوں کا ساتھ دیا۔ انہوں نے مجوزہ کارروائیوں اور منصوبوں کے سلسلے میں مشورے بھی دیئے۔ بھارت کی دوسری فرقہ پرست جماعتوں کے لوگوں نے بھی آسام میں جا کر غیر آسامیوں کے خلاف اُٹھنے والے طوفان کا رُخ مسلمانوں کی طرف موڑ دیا۔ خود مسز اندرا گاندھی کا منشا بھی یہی تھا کہ آنے والی تباہی کا شکار مسلمان ہوں۔

ضلع دارنگ کے منگالڈوئی کے مقام پر مسلمانوں کے قتلِ عام کا منصوبہ بنا جہاں آنکھ دیکھے بیرونی لوگ آ کر شریک ہوتے رہے۔ نیلی کے مسلمانوں کے خلاف ۱۴ فروری کی ووٹنگ کے انتقام میں ہندوؤں نے اوّلاً مکمل سماجی مقاطعہ شروع کیا۔ اور پھر قتلِ عام کے پہلے راؤنڈ میں گوہ پور کے علاقے میں قبائیلوں آسامیوں اور نیپالیوں نے مل کر ۱۷ دیہات کو نذرِ آتش کر کے ایک ہزار افراد کو ہلاک کر دیا۔ جمعہ ۱۸ فروری کی روشن صبح کو نیلی کے گاؤں کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ مرد چونکہ کام پر جا چکے تھے اور کچھ بھاگ بھی نکلے تھے اور ایک اطلاع یہ بھی ہے کہ انہیں سرکاری انٹیلی جنس والوں نے خطرے سے بچنے

© rasailojaraid.com

کے لیے بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ اس لیے قتل عام کا شکار ہونے والوں میں ۸۰ فیصد عورتیں اور بچے تھے۔ عورتیں بچوں کو لے کر دھان کے ڈھیروں میں جا چھپیں مگر قاتلوں نے شیر خوار بچوں کو ماؤں سے چھین چھین کر اُن کے سامنے انہیں چیر پھاڑ دیا۔ اور پھر اُن کی ماؤں کا بھی صفایا کر دیا حتّٰی کہ ضعیف عورتوں کے بدن بھی کاٹ دیئے گئے۔ جمعہ کا سارا دن اور اگلی رات صبح تک یہ خونخوارانہ ڈرامہ جاری رہا۔ جو مرد جنگلوں کی طرف بھاگ نکلے تھے، ان کو درندوں کی ٹولیوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس طرح شکار کیا جس طرح (بالفاظ نیوز ویک) خرگوشوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ اس مہم کی سرکردگی نوجوانوں نے کی، جو آسام ماتا کی جے کے نعرے لگا رہے تھے۔

نیلی کے بعد مشرک وحشیوں نے دیمل، ماتی پربت، بورہیری اور دھرم تلی وغیرہ مسلم دیہات کا رُخ کیا۔ اور قسائی فطرت حملہ آوروں نے انسانی گوشت کے انبار لگا دیئے۔ مسلمانوں کی لاشیں بکھری پڑی رہیں کیونکہ اُن کو سمیٹنے کے لیے کوئی مسلمان باقی نہ تھا۔ ان لاشوں کو گدھ اور کوے نوچتے رہے۔ فوج نے جو پہلے سے ایسے بلووں کو روکنے کے لیے مامور تھی، اس نے قاتل درندوں کا ساتھ دیا۔ اور کوئی مثال ایسی نہیں کہ فوجیوں نے مظلوموں کے جان و مال کو بچانے یا ظالموں کا ہاتھ روکنے کی کوئی کوشش کی ہو یہی حال پولیس اور ملیشیا کا تھا۔

نیلی ضلع نوگاؤں کے متعلق عام اطلاعات ۲ ہزار ہلاکتوں کی ہیں۔ مگر دوسری رپورٹوں میں یہ تعداد ۴ ہزار بتائی گئی ہے۔ گھروں اور مکانوں کو جلانے کے علاوہ مویشیوں اور فصلوں کو بھی تباہ کر دیا گیا۔

ہسپتالوں میں متعصب ہندو فرقہ پرستوں کا رویہ یہ تھا کہ دس ہزار مسلمان زخمیوں کو طبی امداد دینے کی بجائے اُن کو طرح طرح سے پریشان کیا گیا۔ اسی طرح جو لوگ کیمپوں میں پہنچے اُن کے لیے کوئی سامان غذا نہ تھا۔ وہ شہدا بھی تھے جن کی لاشیں رب نواز نامی نوجوان کی چشم دید شہادت کے مطابق رات کے وقت بیل دریا میں بہا دی گئیں۔

مجموعی طور پر اس وقت تک ۳ لاکھ سے زائد افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔

اب آسام کے بقیہ ۲۵ لاکھ مسلمانوں کا حال ایسا ہے کہ وہ ایک مذبح میں پڑے اپنے ذبح ہونے کی باری کا انتظار کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مجرمانہ طوفان جو تین ہفتے جاری رہا۔ اس میں اخباری رپورٹوں کے مطابق ظاہری تعداد مقتولین ۱۰ تا ۱۵ ہزار سامنے آتی ہے[1]

اس سارے سانحہ کا سہرا مسز اندرا گاندھی کے سر ہے جنہوں نے مسلمانوں کو تحفظ کا یقین دلا کر اُن سے کانگریس کی کامیابی کے لیے ووٹ ڈلوائے اور پھر ان کا کارنامہ صرف یہ ہے کہ وہ اس مقام کا معائنہ کر آئیں جہاں سے لاشیں اٹھائی جا چکی تھیں، صرف اُن کی بُو باقی تھی، جس سے بچنے کے لیے اندرا گاندھی نے ساڑھی کا پلو ناک پر رکھ لیا۔ اس عورت سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ یہ دلی کرب و اندوہ کا اظہار کم سے کم ایک فقرے ہی کر دیتیں یا انتظامیہ اور فوج اور پولیس اور ملیشیا کے خلاف کوئی تحقیقاتی کارروائی کراتیں۔

۱۶ — آخری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ اس وقت اخلاقی لحاظ سے بھارت کا معاشرہ پوری طرح بانجھ ہو چکا ہے۔ رشیوں اور مُنیوں، سنتوں اور بھگتوں، سادھوؤں اور بھکشوؤں کی اس سرزمین میں کہیں کوئی ایسی مذہبی روح باقی نہیں جس کا رشتہ رام کرشن یا بودھ اور اشوک سے جوڑا جا سکے۔ گنڈے شرک، مذہبی روح سیکولرازم کی فضا میں تمام اعلیٰ اصول اور قدریں ختم ہو گئی ہیں، ورنہ بھارت میں کوئی نہ کوئی ہندو گروہ مسلم کشی کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا۔ ظلم کے خلاف مذہبی سطح پر کوئی لیکار بلند ہوتی۔ سیاست دان بھی سیاسی ہیر پھیر کی باتیں کرتے ہیں اور وہ بھی زیادہ تر مخالف مسلم انداز میں۔ کبھی کوئی اپوزیشن کا لیڈر ربولتا بھی ہے تو بااصول سیاست کے زیر اثر کوئی مخصوص بات اور کوئی مضبوط فیصلہ سامنے نہیں آتا۔ بھارت کی جمہوریت کو ایک بڑی جمہوریت کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ جمہوریت ایک بڑا شامیانہ ہے جس کی خوبصورت قناتوں کے اندر نسلی، علاقائی اور مذہبی اختلافات رکھنے والے کمزور گروہوں کو دلائل کے بجائے چھروں اور بلموں اور گولیوں سے ہم نوا بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یعنی ایک ملک میں جمہوریت کی سرے سے ابجد موجود نہیں۔ اس سے تو وہ آمریت بہتر ہے جو

---

[1] واضح رہے کہ یہ رپورٹیں آسامی اور بنگالی وقائع نگاروں کی فراہم کردہ ہیں۔ اور مغربی نامہ نگاروں نے بھی دلی میں بیٹھ کر انہی کی مدد سے اپنے ڈسپیچ تیار کیے۔ اس لیے دس، پندرہ ہزار اموات کے اعداد و شمار بالکل ناقابلِ اعتماد ہیں۔ ایک اخباری رپورٹ ایسی ہے کہ جو مقتولین کی تعداد ۳۰ ہزار بتاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھی ہوگی جہاں لوگوں کے جان ومال، آبرو عزت اور ضمیر حملہ وروں کی زد سے محفوظ ہوں۔ جمہوریت کا ایسا شاندار ڈھونگ کس کام کا کہ آدمی کو محض اس بنا پر جان کے لالے پڑے ہوں کہ اس کا عقیدہ یا اس کی تہذیبی روایات مختلف ہیں۔ یا وہ نسل اور زبان اور علاقے کے لحاظ سے دوسروں سے فرق رکھتا ہے۔ پوری صحافت سیکولر نیشنل ہندوازم کے سیلاب میں یکساں بہی جا رہی ہے۔ دھارے کے خلاف سر اٹھا کر بات کہنے والا کوئی نہیں۔ ادیبوں اور دانشوروں کا یہ حال ہے کہ ان کے کسی گروہ تو کیا، کسی فرد کی طرف سے بھی ہندوؤں کی بہیمانہ کارروائیوں کے خلاف آواز نہیں اٹھی، ایسا ادب نہیں ابھرا جس سے ظاہر ہو کہ ادیب ان حالات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حد یہ کہ ہندوؤں میں سے کوئی ایسا سیوا سمتی گروہ بھی کبھی نمودار نہیں ہوا جس نے مصیبت زدہ مسلمانوں کی کسی طرح امداد کی ہو۔ کوئی سادھو نہیں جس نے مرن برت رکھ لیا ہو، کوئی ایسے مہنت اور پجاری نہیں جو کسی چوراہے پر دھرنا مار کر بیٹھ جائیں، کوئی ایسی انسانیت دوست سماجی پارٹی موجود نہیں جو آسام جا پہنچے اور اس مصیبت کو سمجھے جو مسلمانوں پر وارد ہوئی ہے۔ ایسا کوئی انسانی رجحان موجود نہیں ہے وہاں تو محض ایک مسمسی صورت، بنیوں کا نمائشی اخلاق اور دل فریب مصنوعی انکسار ملتا ہے اسی کو کہتے ہیں :۔ بغل میں چھری منہ پر رام رام

میں ایسی بیجر قوم کے متعلق یقین رکھتا ہوں کہ یہ خود جلد کسی سخت گرفت میں آئے گی جس سے اسے نہ اس کے اسلحہ بچا سکیں گے نہ اس کی عیارانہ سیاست اور نہ نمائشی جمہوریت۔ دوسری بات یہ کہ ایسی قوم کے متعلق یہ حسنِ ظن رکھنا کہ وہ اپنا محاسبہ آپ ہی کرے گا یکسر خود فریبی ہے اب اس قوم میں انسانیت کی کوئی رمق باقی نہیں ہے۔

بھارت سے مکمل مایوسی کے بعد میں مجبور ہوا ہوں کہ ایک مکتوب مفتوح لکھ کر اپنی دینی و دنیوی برادری کو توجہ دلاؤں کہ وہ اندرونی رضاکارانہ اصلاح کی امیدیں چھوڑ کر باہر سے مؤثر دباؤ ڈالے۔

اگر ایسے بڑے المیہ پر عالم اسلام بے حس رہا تو اس کا کوئی وقار باقی نہیں رہے گا۔

© rasailojaraid.com